قدیم اور جدید تعلیم کے بعض خصوصیات و امتیازات

از

(جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی)

ہندوستان کی موجودہ طرز تعلیم اور یورپ و امریکہ کی طرز تعلیم پر نظر ڈالی جائے تو بڑا فرق نظر آتا ہے جس کی یہاں تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے یہاں ہم صرف ہندوستان کی قدیم اور موجودہ تعلیم پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے پہلے یہاں کی قدیم تعلیم کا ایک جائزہ لینا ہے قدیم حالات ویدوں سے معلوم ہوتے ہیں اس خصوص میں ہمارے آں جہانی پروفیسر بابو امرت لال صاحب سیل نے جو تحقیقات کی تھی اس کا اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب اگرچہ ریاضی اور سائنس کے ماہر تھے مگر تعلیم سے خاص دلچسپی تھی اور انھوں نے دارالعلوم کے رسالہ "ثمرۃ الادب" میں کئی تحقیقی مضمون لکھے تھے

جس زمانہ کا ذکر وید میں آیا ہے اس زمانہ کی طرز تعلیم اور موجودہ زمانہ کی طرز تعلیم میں بہت اختلاف ہے۔ اس زمانہ میں اکثر راجاؤں یا علماء کے جلسوں میں طلباء کا امتحان لیا جاتا تھا اور جب وہ معلم بننے کے قابل ثابت ہوتے تو ان کو آچاریہ یا پروفیسر کا درجہ دیا جاتا تھا۔ بلا کامیابی کوئی طالب علم معلمی کا کام انجام نہیں دے سکتا تھا۔ حاکم وقت کا فرض تھا کہ ایسے کامیاب شخص کے لئے ایک مدرسہ قایم کر دے اور اس کی ذات اور طلباء کے اخراجات پرورش کے لئے جاگیر مقرر کرے۔ طالب علم کو درخواست کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی بلکہ کامیابی کی شہرت کے ساتھ ہی چاروں طرف سے دعوتیں آنے لگتیں۔ مدرسہ کے

نے لئے اکثر دریا یا چشمہ کے کنارے زمین ملتی تھی تعلیم کے لئے ایک بڑا دالان یا چھپر اور معلم اور اس کے اہل و عیال کے لئے ایک مکان ہوتا۔ طلبا کے لئے متعدد کمرے یا جھونپڑیاں بنائے جاتے۔ طلبار کے لئے خواہ وہ قریب کا رہنے والا ہو یا دور کا غریب ہو یا امیر استاد کے مکان پر بطور مہمان قیام کرنا لازمی تھا۔ تعلیم کے زمانہ میں طلبار استاد ہی کے لڑکے بن جاتے تھے۔ استاد کا دیا ہوا کھانا اور دئے ہوئے کپڑے پہنتے۔ جب لڑکوں کی عمر تحصیل علم کے لایق ہوتی تو اس کو جنیو یعنی زنار پہنا کر استاد کے سپرد کر دیتے تھے اس طرح "زنار" طالب علمی کی علامت ہے مذہب سے اس کو تعلق نہیں ہے۔ زنار سے یہ معلوم کیا جاتا تھا کہ زنار دار یا تو طالب علم ہے یا طالب علمی کر چکا ہے تعلیم کے زمانہ میں طالب علم کو استاد کی خانگی خدمت انجام دینی ہوتی تھی۔ مثلاً مدرسہ کے احاطہ میں کچھ پھولوں اور میووں کے درخت۔ کچھ ترکاری کی کاشت ضرور ہوتی۔ چند گائے پالے جاتے۔ معلم کی سواری کے لئے گھوڑا یا ٹٹو ہوتا۔ ان سب کی داشت کا کام طلبار کو کرنا ہوتا۔ اور یہ کام طلبار میں تقسیم ہوتا تھا۔ کوئی درختوں کی دیکھ بھال کرتا کوئی جانور کے دانے چارہ کا انتظام کرتا۔ یہ کام طلبار نہایت خوشی اور مسرت سے انجام دیتے تھے اس کو اپنی ذلت یا ہتک نہیں سمجھتے تھے۔

طالب علم قبل طلوع آفتاب بیدار ہوتا اور ضروریات سے فارغ ہو کر عبادت کرتا۔ اس کے بعد جو خانگی کام اس کے سپرد ہوتا اس کو انجام دیتا۔ اس کے بعد اس دالان میں حاضر ہو جاتا جہاں استاد تعلیم دیتا تھا۔

جب کوئی معلم اپنی قابلیت اور لیاقت سے زیادہ مشہور ہو جاتا اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل جاتی تو اس کی جاگیر میں اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح شہرت کے ساتھ معلموں کی خوش حالی اور فارغ البالی میں ترقی ہوتی تھی۔ اگر مدرسہ کے لئے کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو معلم راجا سے درخواست اور خواہش کرتا تھا۔ طلبار کے والدین سے طلب کرنے کا رواج نہیں تھا۔ طلبار اور ان کے والدین یا سرپرست سے کوئی مدد یا معاوضہ لینا یا اجرت

تعلیم طلب کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ البتہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جو طلبا کے والدین ذی استطاعت ہوتے وہ استاد کو نذرانہ پیش کرتے تھے اس کو قبول کیا جاتا تھا۔ غریب کے والدین پھول نذر کرتے امرا یا راجاؤں کے لڑکے۔ گھوڑا گائے نذر کرتے یا استاد کی بی بی بچوں کو کوئی چیز دیتے مگر یہ بھی معمولی چیز ہوتی تھی۔ مہابھارت میں ایک استاد کا ذکر آیا ہے کہ ان کی بی بی نے جو ایک راجہ کی دختر تھی۔ ایک دوسرے راجہ کے لڑکے کی ختم تعلیم پر ایک چارپائی کی فرمائش کی جب استاد کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی نے پلنگ کی فرمائش کی ہے تو وہ بہت خفا ہوا اور کہا غریب برہمن کی بیوی کو پلنگ کی ضرورت نہیں ہے اور بیوی سے کہا کہ اگر آپ کو آرام طلبی کی خواہش ہے تو آپ اپنے والدین کے یہاں چلی جائیں میں بخوشی اجازت دیتے ہوں اس کے بعد بیوی نے چارپائی لینے سے انکار کر دیا۔ بہر حال قبل از اختتام تعلیم نذر دینا اور لینا یعنی آج کل کی طرح تعلیم اجرت سے لینا اور دینا دونوں ناجائز تھے۔

زمانۂ تعلیم میں طلبا کے لئے حسب ذیل امور ممنوع تھے۔

(۱) زمانۂ تعلیم میں شادی کرنا یا .... کچھ قریب کے رشتہ داروں کے علاوہ عام دوسری عورتوں سے ہم کلام ہونا۔

(۲) لذیذ غذا یا شیرینی کھانا۔

(۳) شہوت دلانے والی چیزیں یعنی گوشت وغیرہ کھانا۔

(۴) گانا بجانا۔ ناچ دیکھنا اور عشقیہ کلام پڑھنا۔

(۵) نشہ کرنا۔

(۶) آرام طلبی کرنا

(۷) شوخ لباس پہننا۔

(۸) بدزبانی کرنا۔ اور فحش کلمات زبان پر لانا۔

(۹) دوسروں کی غیبت کرنا

(۱۰) بے رحمی یا سخت دلی کا کام کرنا

جو طالب علم ان تمام امور کی پابندی کرتا اس کو برہم چاری کہتے تھے، معلم یا استاد کا یہ فرض ہوتا تھا کہ طلباء کی اپنے لڑکوں کی طرح پرورش کرے۔ پاک وصاف اور مقوی غذا کھلائے۔ بیماری میں علاج اور تیمار داری کرے۔ طلباء کے دماغی اور جسمانی تعلیم کی نگرانی اور خبر داری کرے۔

اکثر طالب علم ایک فنی ہوتے تھے جب ایک فن سے فارغ ہو جاتے تو دوسرے فن کے لئے کسی دوسرے معلم کے پاس جاتے۔ بعض معلم ایسے ہوتے تھے جو ایک سے زیادہ فنون کی تعلیم دیتے تھے۔ ان مدرسوں پر راجا یا بادشاہ کی نگرانی نہیں ہوتی تھی۔

اس قسم کے مدرسوں کے علاوہ بعض دوسرے مدرسے تھے جن کو سرکاری مدرسے کہنا چاہیے۔ ان مدرسوں میں طلباء کے ساتھ استاد بھی بادشاہ یا راجہ کے مہمان بن کر رہتے تھے بعض استاد تعلیم کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

یہ ہے قدیم ہندوستان کی تعلیم کا مختصر حال۔ اب مسلمانوں کے عہد کا ذکر بھی سنو۔

پیغمبر اسلام نے ہر مسلم مرد اور عورت پر علم کا حاصل کرنا فرض گردانا ہے۔ اس لیئے مسلمان بادشاہ تعلیم کی جانب خاص توجہ مبذول کرتے تھے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں ہندوستان میں دو قسم کے مدرسے تھے ایک تو وہ مکتب یا ابتدائی مدرسے جو اکثر مساجد میں اور دھرم سالوں میں ہوتے تھے۔ دوسرے کالج اور دار العلوم جہاں اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی۔ مسلمانوں کے زمانہ میں جنوبی ہند (دکن) اور شمالی ہند کے شہروں میں درسگاہیں تھیں اس خصوص میں ابو الحسنات ندوی مرحوم نے اپنی کتاب "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" میں نہایت تفصیل کے ساتھ اسلامی عہد کی درسگاہوں کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ انھوں نے اجمیر۔ دہلی۔ پنجاب۔ اور آگرہ۔ بہار۔ بنگال۔ دکن۔ مالوہ۔ ملتان۔ کشمیر گجرات۔ سورت کے (۱۰۸) مدرسوں کا تذکرہ کیا اور حال لکھا ہے مگر یہ صرف مشہور

مدرسے تھے۔ کیونکہ ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمانوں کے زمانہ میں جو مدارس قایم ہوتے تھے وہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مثلاً اُس کتاب میں پورے دکن جس میں احمد نگر۔ بیجاپور اور ارکاٹ بھی شامل ہے۔ صرف بارہ مدرسوں کا حال لکھا ہے۔ ہم نے صرف آصفیہ دور کے قدیم (۲۰) سے زیادہ مدرسوں کی صراحت اپنی کتاب میں کی ہے۔ بہمنی اور قطب شاہی عہد کے مدرسوں کا تذکرہ اس کے سوا ہے اور فیروز شاہ بہمنی کی علم دوستی کا ثبوت اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ فی ہفتہ پیر اور چہار شنبہ کو درس دیا کرتا تھا یورپ اور ایشیا کی تاریخ میں ایسے تاجدار علما، جو جہانبانی کے گراں بار فرائض کے ساتھ علمی خدمت انجام دیتے ہوں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے موجود تھے جن کا تذکرہ مصری سیاح نے کیا ہے اور عالمگیر کے عہد کے ایک انگریز سیاح الگزنڈر ہملٹن نے صرف شہر ٹھٹھہ میں چار سو مدرسے ہونے کا ذکر کیا ہے۔

بہرحال اسلامی عہد کی تعلیم کے متعلق بہت کچھ سواد موجود ہے اور اس کی صراحت طوالت کا موجب ہے، نہ صرف تنخواہ یاب معلم اس کام کو انجام دیتے تھے بلکہ علماء اور فضلاء کے ساتھ صوفیائے کرام بھی علمی مشاغل میں مصروف و منہمک رہتے تھے۔ ان کی خانقاہیں درس اور تدریس کے لئے وقف رہتی تھیں۔

اس تفصیل کے بعد ہم اب ان امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو قدیم اور جدید تعلیم کے امتیازی خصوصیات کہے جا سکتے ہیں۔

(۱) جب ہم قدیم اور جدید تعلیم کے اہم خصوصیات اور امتیازات پر نظر ڈالتے ہیں تو سب سے پہلے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ حال میں تعلیم کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ اصحاب تعلیم کی جانب مائل ہو گئے ہیں۔ تعلیم کا شوق دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ زمانہ گذشتہ میں یہ بات نہیں تھی۔ تعلیم کا دائرہ محدود ہوتا تھا۔ تعلیم یافتہ

اصحاب کم نہیں کم تر پائے جاتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ بعض طبقے یا بعض خاندان اور گھرانے علم حاصل کرتے تھے باقی اہل ملک کو علم سے رغبت نہیں ہوتی تھی، لیکن اس کے ساتھ جو بات گذشتہ تعلیم میں عام طور سے پائی جاتی تھی اور اب عمومیت نہیں رکھتی وہ علم کا عمق اور گہرائی ہے۔ زمانہ گذشتہ کا فارغ التحصیل مختلف علوم اور فنون میں ماہر ہوتا تھا۔ آج کل کے گراجویٹ سے زمانہ سابق کے فارغ التحصیل کے علمی، فنی معلومات زیادہ ہوتے تھے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پانی کی سطح جب پھیل جاتی ہے تو جس طرح اس کا عمق اور گہرائی کم ہو جاتی ہے دہی حال گذشتہ اور موجودہ تعلیم کا ہے

موجودہ زمانہ میں کسی ایک فن میں ریسیرچ کر کے اس فن میں امتیاز حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے مگر زمانہ سابق کا فارغ التحصیل مختلف علوم کا ماہر ہوتا تھا۔ ادب۔ صرف ونحو۔ بلاغت۔ ریاضی۔ فلسفہ۔ کلام۔ حدیث۔ فقہ کے ساتھ ساتھ اکثر اس کو طب میں بھی مہارت ہوتی تھی۔ اس قسم کے بیسیوں مثال پیش کئے جا سکتے ہیں جو اپنے وقت کے عالم وطبیب بھی تھے۔ اور جو طبابت کرتے تھے وہ دیگر علوم کا درس بھی دیتے تھے، اگر صبح کو ان کا مطب بیماروں اور مریضوں کے لئے وقف ہوتا تھا تو سہ پہر اور شام کو شائقین علم وفن ان سے درس لیا کرتے تھے۔

لیکن یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ موجودہ زمانہ میں ایک فن میں ماہر ہو کر ریسیرچ کر کے اپنے علم کی نئی تحقیقات کرنے کے لئے جس قدر میدان وسیع ہے اور جس قدر سہولتیں اور آسانیاں فراہم ہیں یہ بات زمانہ سابق کے متعلم فارغ التحصیل کو حاصل نہیں تھیں۔ اس کو دشواریاں تھیں ذرائع نہیں ہوتے تھے اور تحقیقات کے موقعے نہایت کم ملتے تھے۔

(۲) دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ زمانہ سابق میں تعلیم مفت حاصل کی جاتی تھی شاگرد کو استاد کی ماہوار تنخواہ یا اجرت اور فیس ادا کرنی نہیں ہوتی تھی۔ تعلیم اور علم کا معاوضہ لینا سخت معیوب تھا۔ جو سرکاری مدرسے قایم تھے ان میں کوئی فیس طلبار سے نہیں لی جاتی تھی بلکہ

بعض کو وظائف اور روزینے دئے جاتے تھے تاکہ وہ اپنی قوت بسری کر سکیں۔ بعض سرکاری مدرسوں میں قیام کا انتظام ہوتا تھا۔ طلبار کے خورد و نوش کا انتظام حکومت کی جانب سے یا خود استاد کرتا تھا اور کوئی معاوضہ اس کا نہیں لیا جاتا تھا۔ جو سرکاری مدارس تھے ان مدارس کے مدرسین کو تنخواہ حکومت دیتی تھی یا جاگیریں مدرسوں کے لئے عطا کی جاتیں جس سے مدرسہ اور بورڈنگ کے اخراجات پورے ہوتے تھے کسی تعلیم پر حکومت کی نگرانی نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے وہ علمار اور پنڈت جو طلبار کو تعلیم دیا کرتے تھے وہ بھی مفت دیتے تھے بلکہ اکثر مدرسین طلبار کو اپنے یہاں قیام کراتے اور ان کے مصارف کے خود کفیل ہوتے تھے البتہ ان سے خدمت لی جاتی تھی جس کا تذکرہ قبل ازیں کر دیا گیا ہے۔ موجودہ عہد میں اجرت یا فیس سرکاری اور خانگی مدارس میں لی جاتی ہے جو دوسرے مصارف کتابوں، کاپیوں امتحان کی فیس وغیرہ کے لاحق ہوتے ہیں وہ زمانۂ سابق میں کچھ بھی نہیں ہوتے تھے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ عہد میں تعلیم گراں سے گراں تر ہو گئی ہے اور زمانہ سابق میں تعلیم اس قدر گراں قیمت نہیں ہوتی تھی۔

(۳) تیسری خصوصیت تعلیمی ذوق اور علمی شوق ہے۔

عصر حاضر میں عام طور سے جو تعلیمی شوق اور ذوق پایا جاتا ہے وہ زمانہ سابق میں نہیں تھا۔ زمانۂ سابق میں تعلیم اور علم کی جانب عام طور سے ہر کس و ناکس متوجہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں خصوصیت ہوتی تھی اور پھر دقتیں زیادہ نہیں۔ اکثر علمار طلبار کے ذوق اور شوق کا پہلے امتحان لیا کرتے اور اس کے بعد اس کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً میرے نانا کے والد قاضی بدر الدولہ جب ملک العلمار مولانا عبد العلی فرنگی محلی سے درس لینے کی خواہش کی تو موصوف نے ادل فرمایا تھا ان کے پاس کوئی وقت نہیں ہے البتہ جب وہ اپنے مکان سے ارکاٹ کے نواب کے یہاں جاتے ہیں تو راستہ میں چلتے ہوئے درس لیا جاسکتا ہے چنانچہ یہ تیار ہو گئے اور وہ ایک دن تک موصوف کے میانہ کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے درس لیا۔

جب مولانا نے ان کے ذوق اور شوق کو پوری طرح جانچ لیا تو پھر اپنے مکان پر درس دینے لگے۔ اس طرح زمانہ سابق میں طلبار کے ذوق اور شوق کا امتحان لے کر درس دیا کرتے تھے۔

(۴) موجودہ زمانہ میں جس طرح سائنس کے آلات کے ذریعہ عملی طور پر تجربات اور مشاہدات سے تعلیم دی جاتی تھی اور تحقیقات کرنے کا موقع حاصل ہے یہ زمانہ سابق میں میسر نہیں تھا۔ آج کل جس طرح صدہا طلبار سائنس۔ ریاضی۔ طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ہر سال صدہا ڈاکٹر۔ انجنیر اور پروفیسر بنتے ہیں۔ یہ بات زمانۂ سابق میں میسّر نہیں تھی۔ طبیب کو علم حاصل کرنے کے بعد کئی سال تک کسی بڑے طبیب کے پاس رہ کر عملی تجربہ حاصل کرنا ہوتا اس کے بغیر صرف تعلیم پاکر ...... اپنے طور پر مطب قایم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

(۵) زمانۂ سابق میں جو اصحاب علمی ذوق اور تعلیمی شوق رکھتے تھے وہ مذہبی علوم بھی بلاتخصیص مذہب حاصل کرتے تھے۔ یعنی ہندو اصحاب مسلمانوں کے مذہبی علوم حدیث تفسیر فقہ کی تعلیم حاصل کرتے اور ان علوم میں پوری دست گاہ رکھتے تھے۔ اور اس طرح مسلمان علمار سنسکرت کی تعلیم پاکر وید پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ راجہ مکھن لال جو دولت رام منشی کے فرزند تھے علم نجوم اور ریاضی میں مہارت کے ساتھ شاعری اور خوش نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے، حیدر آباد سے جب مدراس گئے تو مولانا عبد العلی ملک العلمار اور مولوی محمد غوث شرف الملک سے دینی علوم کا استفادہ کیا اور شرح ملّا تک تعلیم پائی ان کو تاریخ گوئی میں مہارت حاصل تھی، مسجد والاجاہی مدراس کے تعمیر کی تاریخ آپ ہی نے نکالی تھی جو آج بھی مسجد مذکور پر کندہ ہے۔

مسلمانوں نے برہمنوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام بھی فرمایا تھا جو برہمن وید کی تعلیم دیتے تھے وہ "شاستری" سے موسوم ہوتے تھے۔ ان کا کام وید اور شاستر پڑھنا اور پڑھانا ہوتا تھا' ایسے اصحاب کو یومیئے اور انعام دے گئے ہیں جو آج تک ان کے خاندان میں باقی ہیں۔

ان سب امور سے قطع نظر سب سے زیادہ جو بات زمانۂ سابق میں عام تھی اور اب مفقود ہے وہ یہ ہے کہ استاد اور معلم لڑکوں کی کردار سازی کا زیادہ خیال رکھتے تھے ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھ کر تعلیم دیا کرتے اور اسی طرح ان کی تربیت کرتے تھے اور طلبا بھی استاد کو اپنے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں نہ تو ایسے شفیق استاد میسر ہوتے ہیں اور نہ سعادت مند طلبا ملتے ہیں۔ شفیق استادوں کی کمی وجہ ہے کہ تعلیم کی سرعت کے ساتھ وسعت کے باوجود کردار سازی کا فقدان پایا جاتا ہے۔

آج سے پچیس تیس سال پہلے بھی جو بات حاصل تھی اور جس طرح استاد اور شاگرد میں رابطہ ہوتا تھا آج اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ معلم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا کام مقررہ اوقات میں لکچر دے دینا یا سبق پڑھانا ہے اور طلبا یہ سمجھتے ہیں کہ فیس ادا کر دی گئی ہے حاضری دے کر لکچر سن لیا جائے یا درس کی سماعت کر لی جائے۔

کردار سازی اور تربیت کی طرف نہ تو استاد اور پروفیسر متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ان کو موقع ملتا ہے۔

آئندہ ہم کو سب سے زیادہ جس امر کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے وہ کردار سازی ہے۔ کردار سازی ہی سے ہماری اولاد اور ان کی نسل اچھے سپوت بن سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا ابو الکلام آزاد نے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں اس طرف توجہ بھی دلائی ہے۔ یہ ہیں چند خصوصیات اور امتیازات جو ہمارے قدیم اور جدید معلم کے فرق کو ظاہر کرتی ہیں۔

وحی الٰہی (جدید ایڈیشن)

مسئلہ وحی پر ایک محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر ایسے دل پذیر و دلکش انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سما جاتا ہے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے مطالعہ کے لائق کتاب ہے کاغذ نہایت اعلیٰ۔ کتابت نفیس طباعت عمدہ صفحات ۲۰۰ قیمت سے مجلد للعہ